کہ اگر وہ دوسری گول میز کانفرس انگلستان سے زندہ واپس نہ ہوئے تو اُس صورت میں یہ خط سردار بیگم کو دیا جائے۔ اِس خط میں سات (۷) نکات ہیں جس میں صرف پہلا نکتہ بیماری کے بارے میں ہے جسے ہم یہاں ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب ''زندہ رود'' سے پیش کرتے ہیں۔

''(۱) عرصہ دو تین سال کا ہوا جب میں دردِ گردہ کی وجہ سے بیمار ہو گیا تھا اور زندگی کی امید منقطع ہو گئی تھی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے صحت عطا کی۔ اس بیماری کے بعد میرے خیالات میں بڑا تغیر ہوا اور چند روزہ زندگی کی حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی۔ صحت یابی کے بعد میں نے مبلغ دس ہزار روپیہ جاوید کے نام ہبہ کر کے پنجاب نیشنل بنک لاہور میں اس کے نام جمع کرا دیا۔۔۔''

حکایت = غلام رسول مہر اقبال درونِ خانہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔۔۔

''ایک مرتبہ گرمیوں میں گردے کی تکلیف ہوئی اور وہ کئی روز بیمار رہے۔ میں دوپہر کے وقت دفتر جاتے جاتے مزاج پُرسی کے لیے حاضرِ خدمت ہوا۔ میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں ان کی خواب گاہ کے پیچھے ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ شمالی جانب تھا۔ اس میں تپش کم ہوتی تھی۔ فرش پر خوب پانی ڈلوا کر اس کمرے میں لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے خاموش بیٹھ کر ان کے چہرہ مبارک پر نظر جمائی۔ ہم لوگ عموماً ان کی نگاہوں سے حالات کا اندازہ کرنے کے عادی تھے۔ اس اثنا میں ایک اور صاحب بھی عیادت کے لیے آ گئے اور میرے پاس بیٹھ گئے۔ یکا یک مرحوم نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا :

مہر صاحب! تکلیف انسان پر اس کے نفس کی طرف سے آتی ہے یا اللہ کی طرف سے؟ میں جواب میں حدیث جبرئیل سے وہ الفاظ دہرا دینا چاہتا تھا جو رسول اکرمؐ نے قیامت کے سوال پر فرمائے تھے، یعنی:

''جس سے پوچھا گیا ہے اس کا علم پوچھنے والے سے زیادہ نہیں۔'' لیکن میں کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ جو صاحب میرے پاس بیٹھے تھے، بول اُٹھے! ڈاکٹر صاحب! سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔''

یہ سنتے ہی ان پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، پہلے چیخ نکلی، پھر روتے روتے کہتے جاتے کہ ''اگر یہ تکلیف اللہ کی طرف سے ہے تو میری توبہ، میری توبہ، میری توبہ، میں نے کیوں شکوہ کیا؟'' طبیعت کے معمول پر آنے پر پانچ سات منٹ صرف ہو گئے۔

❁❁❁

عارضہ نقرس (Gout)

نقرس کیا ہے؟

نقرس یا (Gout) ایک طبی عارضہ ہے۔جس میں یورک ایسڈ کے خون میں زیادہ ہونے پر بدن کے بعض جوڑوں میں ورم اور شدید درد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یورک ایسڈ کے Crystals عام طور سے پاؤں کے انگوٹھے کے جوڑ میں ورم اور شدید درد پیدا کرتے ہیں بعض اوقات یہ درد انگوٹھے کے علاوہ گھٹنے یا کمر کے جوڑوں میں بھی ہوتا ہے درد عموماً کچھ دنوں یا ہفتوں میں ورم کے کم ہونے کے ساتھ ساتھ کم ہو جاتا ہے لیکن وقتاً فوقتاً یہ عارضہ عود کر جاتا ہے۔ یورک ایسڈ کی زیادتی سے گردے میں پتھری بھی بن جاتی ہے چنانچہ تقریباً دس فی صد افراد جنھیں نقرس ہوتا ہے گردہ کی پتھری کے درد میں بھی مبتلا رہتے ہیں۔

خلاصہ:

۱۔ اقبال ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۸ء یعنی انتقال تک نقرس میں مبتلا رہے خطوط اور مستند حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ یوں تو گاہے گاہے ہمیشہ خفیف نقرس کا درد ہوا کرتا تھا لیکن ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۹ء میں حملے شدید ہوئے۔

۲۔ اقبال کو نقرس کا درد پاؤں کے انگوٹھے اور زانو یا پیٹھ کے درد کی شکل میں ہوتا تھا۔

۳۔ اقبال درد نقرس اور جوڑوں کے ورم کو کم کرنے کے لیے پینے کی دوا کے علاوہ لنٹ کی پٹی کو ایک خاص لوشن میں بھگا کر درد کی جگہ پر رکھ لیتے تھے۔

روزگار فقیر میں فقیر سید وحید الدین لکھتے ہیں۔

''صاحبِ درد'' ہونا علامہ کی قسمت میں لکھا تھا۔ دردِ گردہ گیا تو اُس کی جگہ نقرس نے لے لی۔ جو پاؤں کے انگوٹھے کے جوڑ میں ہوتا تھا۔اُس کا دورہ جب بھی پڑتا،علامہ کے لیے سخت تکلیف دہ ثابت ہوتا۔ایک مرتبہ گرمی کی تعطیلات میں حسبِ معمول سیالکوٹ تشریف لائے اور وہاں دردِ نقرس شروع ہوگیا۔درد کی شدت کہ پوری رات کرب و بے چینی کے عالم میں تڑپتے گزر جاتی۔ پینے والی دواؤں کے علاوہ ڈاکٹر نے ایک لوشن بھی دیا،جس میں لنٹ

(Lint) کی پٹی آلودہ کر کے درد کی جگہ پر رکھی جاتی۔ اس عمل سے قدرے تسکین ہوئی۔ خدا خدا کر کے کئی دن کی تکلیف اور علاج معالجے کے بعد افاقے کی صورت نظر آئی۔''

علامہ نقرس کے علاج کے سلسلہ میں حکیم نابینا سے انگوٹھے پر لگانے کی دوا کے متعلق ۲۴ر مئی ۱۹۳۴ء کو لکھتے ہیں۔

''اس بات کا بھی خیال رہے کہ مجھے گاہے گاہے درد نقرس بھی ہو جاتا ہے اس کی روک تھام بھی ہوتی رہے۔ انگوٹھے پر لگانے کی دوا بھی ہو تو اور بھی بہتر ہے۔''

ڈاکٹر جاوید اقبال زندہ رود میں لکھتے ہیں---

اس کے بعد درد نقرس کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ اس کے دورے پڑتے تو لگاتار کئی راتیں کرب اور بے چینی کے عالم میں تڑپتے گزر جائیں۔

صبا لکھنوی کا اقبال اور بھوپال میں یہ لکھنا صحیح نہیں کہ ''۱۹۳۴ء میں نقرس کی شکایت نے شدت اختیار کر لی تو عرصے تک آپ نے دلی کے مشہور طبیب حکیم نابینا عبدالوہاب انصاری کا علاج کیا اور اس علاج معالجہ کے سلسلے میں نذیر نیازی اقبال کے ہر ممکن خدمت کرتے رہے۔ خطوط کے ذریعہ اقبال اپنا حال نذیر نیازی کو دلی لکھ بھیجتے وہ سارا حال حکیم نابینا کو جا جا کر سناتے دوائیں حاصل کرتے اور ذریعہ پارسل لاہور روانہ کر دیتے۔''

خطوں سے پتہ چلتا ہے کہ سید نذیر نیازی درحقیقت علامہ کے کلو درد، آواز کے بیٹھ جانے، نفس تنگی اور ذمہ کے بارے میں نہ کہ نقرس کے علاج کے بارے میں اقدامات لازم اور ہر ممکن خدمت کرتے تھے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ مختلف خطوط اور حوالوں میں uric acid کو Boric acid لکھا گیا ہے جو ایک دوسری شئے ہے۔ علامہ کے مختلف خطوط سے ان کے اس عارضہ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

مارچ ۱۹۲۲ء میں پروفیسر محمد اکبر منیر کو لکھتے ہیں---

میرے ایک دوست سردار جوگندر سنگھ ایڈیٹر ایسٹ اینڈ ویسٹ اصرار کر رہے ہیں کہ اُن کے ساتھ کوئٹے کے رستے ایران چلوں۔ اگر ممکن ہو سکے تو ضرور ان کا ساتھ دوں گا۔ اس دفعہ مجھے دردِ نقرس (گوٹ) کی وجہ سے سخت تکلیف رہی۔ کامل دو ماہ چارپائی سے اُتر نہیں سکا چونکہ میری فطرت کو ایران سے ایک مناسبت خاص ہے ممکن ہے وہاں کی آب و ہوا کا اچھا اثر مجھ پر ہو۔

۱۰ جولائی ۱۹۲۲ء کو خان محمد نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں---

مجھے نقرس کی بیماری تھی آپ کے دوست کو عرق النساء ہے وہ اور چیز ہے اور اُس کا علاج

نقرس کے علاج سے بالکل مختلف ہے۔

۱۷ر اگست ۱۹۲۲ء کو خان محمد نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں ۔۔۔

افسوس کہ وہاں مجھے نقرس کی پھر شکایت ہو گئی اس واسطے اسی شام لاہور چلا گیا دوا کے متواتر استعمال سے نقرس کی شکایت رفع ہو گئی ہے۔ جالندھر میں مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں ٹھہرنے کا قصد تھا مگر نقرس کی شکایت نے مجھے رستے میں ٹھہرنے نہ دیا۔

۲۲ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو اکبر شاہ نجیب آبادی کو لکھتے ہیں ۔۔۔

امسال عارضہ نقرس کی وجہ سے تکلیف رہی۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔

۱۱ر فروری ۱۹۲۴ء کو خان محمد نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں ۔۔۔

علی گڑھ جانے کا قصد تو تھا مگر سردی اور تواتر بارش کی وجہ سے کمر میں درد ہونے لگی۔ یورک ایسڈ کے دور کرنے کی دوائی پی رہا ہوں۔ اس اندیشہ سے کہ گوٹ کا حملہ نہ ہو جائے۔

۱۱ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو خواجہ بشیر احمد کو لکھتے ہیں ۔۔۔

افسوس ہے کہ میں مولوی صاحب مرحوم کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا۔ مجھے اس سے دو ایک روز پہلے نقرس ہو گیا جس کی وجہ سے پاؤں میں سخت تکلیف تھی حرکت سے قاصر رہا۔

۳۰ر جنوری ۱۹۳۲ء کو غلام مہر کو لکھتے ہیں ۔۔۔۔

خیال تھا کہ گوٹ کی تکلیف جو مجھے گزشتہ رات ہو گئی تھی آج شام تک رفع ہو جائے گی میں نے اس کا علاج بھی کیا مگر اب گرگابی پہنی تو تکلیف بڑھ گئی۔ اس واسطے دہلی نہ جا سکوں گا۔

۱۷ر جنوری ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ۔۔۔

مجھ کو چند روز سے نقرس کی شکایت ہے کل سے افاقہ ہوا ہے ابھی خفیف سا ورم پاؤں پر موجود ہے امید ہے دو چار روز تک دور ہو جائے گا۔

۲۷ر جون ۱۹۳۶ء کو پروفیسر الیاس برنی کو لکھتے ہیں ۔۔

نقرس کی شکایت البتہ ہے کبھی کبھی اس کا دورہ ہوتا ہے مگر شدت کے ساتھ نہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

۱۸ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ۔۔

''حکیم صاحب قبلہ کی فوری توجہ مندرجہ ذیل تین باتوں کی طرف دلائیں۔

(۳) معلوم ہوتا ہے کہ میرے جسم میں (یورک ایسڈ) کا مواد ہے جو کبھی نقرس کی شکل میں نمودار ہوتا ہے کبھی پٹھے یا زانو کی تکلیف کی صورت میں حملہ اگرچہ شدید نہیں ہوتا تاہم کوئی مہینہ

خالی نہیں جاتا جب یہ تکلیف نہ ہو''

۳۱ر جنوری ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

''دوسری بات جو حکیم صاحب کی توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ میرے انگوٹھے، زانو یا جسم کے اور حصوں میں کبھی کبھی درد ہوا ہے یہ درد اگرچہ شدید نہیں ہوتا تاہم دو چار دن تکلیف ضرور دیا ہے۔ ہر مہینہ میں ایک آدھ دفعہ ضرور ہوتا ہے''۔

❁❁❁

بیماریٔ قلب

اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ دل کے مریض بھی تھے۔ اقبال کی آخری علالت کے دوران کئی حکیموں اور ڈاکٹروں نے ان کے ضعف قلب کی تشخیص بھی دی تھی۔ اقبال کو جوانی سے اختلاج قلب (palpitation) کی شکایت تھی۔ آخری علالت کے دوران ان کو کئی غشی کے دورے (Syncope attacks) پڑ چکے تھے۔ انتقال سے ایک دو سال پہلے انھیں دنوں شانوں کے درمیان (Angina) کا درد ہوا کرتا تھا جو انتقال کی رات کو اور انتقال سے چند لمحات قبل بھی ہوا۔ اقبال کا دل پھیل چکا تھا جس کو (Ox Heart) یا (Cardiomegaly) کہا گیا۔ اقبال کے دمہ کی شکایت زندگی کے آخری سالوں میں روز بروز بڑھتی گئی چنانچہ انتقال سے چند مہینے قبل متواتر دمہ کے حملوں نے زندگی کو عذاب کر دیا تھا۔ اقبال کے ضعف قلب کی وجہ سے ان کا جگر بھی پھیل گیا تھا۔ دونوں پاؤں اور آخری ایام زندگی میں چہرے اور تمام بدن پر ورم بھی آچکا تھا۔ اقبال کی نبض کو حکیموں اور ڈاکٹروں نے ملی نبض (week & slow pulse) کہا تھا۔

اقبال نے انتقال کے وقت دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ یہاں درد ہو رہا ہے اور پھر چند لمحوں بعد ان کی حرکت قلب بند ہو گئی۔

جو کچھ اوپر کہا گیا، اقبال کے خطوں، ڈاکٹروں اور حکیموں کے حوالوں اور اطرافیان کے بیانات میں موجود ہے۔ جن کے اقتباسات آگے پیش کئے جائیں گے۔ ان تمام قلبی علائم اور عوارض کے علاوہ ہمیں اُن مسائل اور اقبال کی عادتوں کا بھی علم ہے جو قلب کے لیے مضر ثابت ہوئی ہیں۔

۱۔ اقبال نے کم از کم تیس (۳۰) پینتیس (۳۵) سال تک تمباکو نوشی کی۔

۲۔ اقبال کی تساہل پسندی (Sedentary life) جس میں ورزش وغیرہ کا دخل نہ تھا۔
۳۔ مرغن اور پُر چرب غذا کا استعمال مثلاً دیسی گھی وغیرہ۔
۴۔ زیادہ نمک اور میٹھے کا مسلسل استعمال۔
۵۔ اکسیروں، معجونوں، اور کشتوں کا استعمال جس میں سونے چاندی اور دوسری دھاتوں کا استعمال جو قلب وجگر کے لیے مضر تھے۔
۶۔ برقی علاج کے تین کورس جو خون کی تولید پر نمایاں اثر کر سکتے ہیں۔

اس بات کا قوی امکان ہے کہ اقبال کے قلب کی رگیں تنگ ہو جانے کی وجہ سے قلب کے عضلات کو خون کی نارسائی نے کمزور کر دیا تھا۔ چنانچہ قلب پوری طرح سے بدن کو خون پہنچانے کا کام نہیں کر سکتا تھا اور دل میں خون ہمیشہ بھرا رہتا اور پھیپھڑے جگر اور بدن کے دوسرے حصے اپنا خون اس میں خالی نہیں کر سکتے تھے جس کی وجہ سے پھیپھڑوں میں خون اور پانی جمع ہو کر تنگی نفس کی شکایت پیدا ہوتی جس کو دمہ قلبی کہتے ہیں جس کے متواتر دورے اقبال کی آخری علالت کے دوران روز بروز زیادہ ہوتے گئے۔ اسی طرح سے جگر پھیل گیا تھا اور بدن میں پانی کے جمع ہونے سے بدن میں ورم ہو گیا تھا۔

قلب میں مسلسل خون بھرے رہنے سے اس کے اندرونی خانے بڑے ہو گئے اور پھیل گئے تھے جس کی وجہ سے دل بڑا ہو گیا جس کو Cardiomegaly کہتے ہیں اور اس زمانے کے ڈاکٹروں نے اس کو Ox Heart کا نام دیا تھا۔ اس ضعف قلبی کی کیفیت کو Congestive heart Failure کہتے ہیں یعنی قلب کے عضلات کی کمزوری کی وجہ سے تمام بدن بخصوص پھیپھڑوں اور جگر میں خون کا انجماد Congestion رہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اقبال کے انتقال سے کچھ ہفتے قبل ایلو پیتھک جرمن ڈاکٹر زیلشر نے علامہ کا معائنہ کر کے قلب کے مرض کی تشخیص بھی دی اور یہ بھی کہا کہ علامہ کا دل پھیل کر Ox Heart کی شکل اختیار کر لیا ہے اور اس کا علاج صحیح نہیں ہوا۔ ڈاکٹر زیلشر علامہ کا علاج کرنا چاہتے تھے لیکن ان کو اس کا موقع نہیں دیا گیا۔ علامہ کے احباب اور حکیموں نے انھیں مشورہ دیا کہ جس طریقہ سے علاج جاری ہے اُسے اُسی طرح سے جاری رکھا جائے۔

علامہ کا انتقال نقرس، دردگردہ، گردہ کی پتھری، گلو درد، آواز کا بیٹھ جانا یا دوسرے چھوٹے عوارض کی وجہ سے نہیں بلکہ قلب کی بیماری اور اس کے مضر اثرات سے ہوا جس کی بنا ان کی برونکائٹس اور برفاشت نمونیا میں تبدیل ہو گئی تھی اس لیے کھانسی کی شدت کے ساتھ ساتھ سینہ

میں درد اور بلغم میں بھی خون بھی آنے لگا تھا۔

بیماریٔ قلب پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے ہم علامہ کے خطوط اور مستند حوالوں کو پیش کرتے ہیں۔علامہ کی آخری علالت کے مضمون میں سید نذیر نیازی ایک دل چسپ واقعہ لکھتے ہیں جس سے ان کی قلب کی بیماری کا حال معلوم ہوتا ہے۔۔۔

''علامہ نے خود مجھ سے بیان فرمایا کہ ایک روز جب انھیں پیٹھ کے درد کا ہلکا سا دورہ ہوا تو ڈاکٹروں نے سر راس مسعود سے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اس درد کا اصلی سبب ضعفِ قلب ہے لہٰذا انھیں چاہیے کہ نقل و حرکت میں احتیاط رکھیں۔حضرت علامہ کہتے ہیں:

''ریاض منزل'' میں میرا قیام بالائی کمروں میں تھا۔میں جب اوپر جاتا تو سید صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ دونوں ہاتھوں سے مجھے سہارا دیتے تا کہ زینہ چڑھنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ایک آدھ روز تو خیر میں نے اپنے شفیق دوست کی پاسداری کے خیال سے کچھ نہ کہا۔لیکن تیسری مرتبہ جب پھر یہی صورت پیش آئی تو میں نے کہا۔آپ اور لیڈی صاحبہ ناحق تکلیف کرتے ہیں۔اسی دن یا شاید اگلے روز میں چھت پر ٹہل رہا تھا کہ سر راس مسعود دوڑے دوڑے میرے پاس آئے اور گھبرا کر کہنے لگے۔ڈاکٹر صاحب آپ کیا غضب کرتے ہیں، آرام سے لیٹے رہیے۔میں نے پوچھا کیوں؟ تو انہوں نے بتلایا کہ ڈاکٹروں کے نزدیک میری بیماری کس قدر خطرناک ہے''۔

علامہ ۲۲/اگست کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

''مجھے ابتدائے علالت میں بعض دفعہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہو جائے اور سر چکرائے۔جوں جوں صحت ترقی کرتی گئی یہ بات رفع ہوتی گئی۔چنانچہ اس سے تین چار روز پہلے تک اس کا نشان تک باقی نہ تھا۔اب تین چار روز سے پھر ایسا ہوتا ہے حالانکہ میری صحت بہت اچھی ہے۔مہربانی کر کے حکیم صاحب سے جہاں تک ہو سکے جلد اس کا تذکرہ کیجئے۔اور ان کے جواب سے مجھے مطلع فرمایئے کہ اس کا باعث کیا ہے؟''

۲۸/اگست ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

''وہ آنکھوں میں جو اندھیرا ہو جاتا تھا اس میں خود بخود کمی ہو گئی ہے''۔

۲۷/دسمبر ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

''میرے دونوں شانوں کے درمیان جو درد تھی اس سے افاقہ نہیں ہوا۔بعض دفعہ میں رات کو اس وجہ سے سو نہیں سکتا۔اٹھ کر سیدھا بیٹھ جاتا ہوں تو قدرے ریلیف ہوتا ہے۔اگر علی

بخش دونوں ہاتھوں سے ذرا زور سے مل دے تو پھر تھوڑی دیر کے لیے آرام ہو جاتا ہے شاید دوران خون کی وجہ سے ہے کیا؟''

۲۹ر مارچ ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

''پیٹھ کا درد جس کا حال حکیم صاحب کو اچھی طرح سے معلوم ہے باقی ہے یا ایک مدت کے بعد عود کر آئی ہے۔ ڈاکٹر یہی کہتے ہیں کہ اس درد کا تعلق بھی قلب کی کمزوری سے ہے۔ پیٹھ کے اوپر کے نصف حصہ میں یعنی گردن سے لے کر دونوں شانوں کے درمیان تک یہ درد ہوتی ہے''۔ علامہ کو درد سے نجات دینے کے لیے انھیں نیند کی گولیاں بھی دی گئی جس کا معکوس اثر ایسا ہوا کہ وہ پلنگ سے غش کھا کر فرش پر گر پڑے۔ حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں افیون ملائی ہوئی دوائیں بھی دی گئی چنانچہ جب آخری وقت انھیں ایسی دوا دی جانے لگی تو علامہ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں نیند اور بے ہوشی کی حالت میں مرنا نہیں چاہتا۔ انہی منوم یا خواب آور دواؤں کے اثر نے اقبال کو Hallucination نیم بے ہوشی اور مدہوشی کے سپرد کیا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال زندہ رود میں لکھتے ہیں ---

''ایک دفعہ تو بے خبری میں پلنگ سے فرش پر گر گئے۔ انہی ایام میں دمے کے پے در پے دوروں کے بعد نیم بے ہوشی کے عالم میں راقم نے انہیں دو مرتبہ اپنی خواب گاہ میں مرزا اسد اللہ غالبؔ اور مولانا جلال الدین رومیؔ سے باتیں کرتے سنا تھا۔ دونوں مرتبہ علی بخش کو بلوا کر پوچھا کہ مرزا غالبؔ (یا مولانا رومیؔ) ابھی اٹھ کر گئے ہیں۔ دیکھنا کہیں چلے تو نہیں گئے اور علی بخش کے اس جواب پر کہ یہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ فرمایا: چلو ٹھیک ہے''۔

ذکر اقبال میں عبدالمجید سالکؔ لکھتے ہیں ---

''جب ۱۹۳۸ء کا آغاز ہوا اور آل انڈیا پیمانے پر پہلا یوم اقبال نہایت کامیابی سے منایا جا چکا تو علامہ کی حالت نے یک بیک ایک نیا پلٹا کھایا۔ اُس زمانے میں حکیم محمد حسن قرشی ان کا علاج کر رہے تھے۔ علامہ کو ضیق النفس کے خفیف دورے شروع ہوئے۔ پچھلی رات بے خوابی ہونے لگی۔ ضیق النفس کے لیے حکیم قرشی صاحب نے ایک ہلکا سا جوشاندہ تجویز کر رکھا تھا جس کے استعمال سے سکون ہو جاتا تھا۔ حکیم صاحب کی تشخیص یہ تھی کہ علامہ کا دمہ قلبی ہے اور اسکی وجہ سے ضعف قلب ہے۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے بھی اس تشخیص کی تائید کی۔ ان دنوں ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ علامہ بستر پر بیٹھ کر تکیہ اپنے آگے رکھوا لیتے اور اس پر اپنا سر ٹیک دیتے۔ ۲۵ر فروری کو دمہ کا دورہ ہوا جوشاندہ پیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ پھر ایلو پیتھک علاج شروع ہوا جس میں

دورے کو روکنے اور نیند لانے کی تدبیر کی جاتی تھی۔ چند روز ذرا آرام سے گزر گئے۔ ۳/ مارچ کی شب کا ذکر ہے علامہ پر ضعفِ قلب سے غشی طاری ہوئی اور وہ اسی حالت میں پلنگ سے گر گئے۔ دوسرے دن حکیم صاحب نے ان کو دیکھا تو ان کے نیازمندوں کو بتا دیا کہ علامہ کا قلب نہایت ضعیف ہے۔ جگر اور گردے بھی ماؤف ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر محمد یوسف، ڈاکٹر الٰہی بخش، ڈاکٹر جمعیت سنگھ سے بھی کبھی کبھی مشورہ کر لیا جاتا اور وہ بھی انتہائی توجہ اور عقیدت سے علاج کرتے لیکن علامہ ڈاکٹری دواؤں کی تلخی و ناگواری سے بے حد گھبراتے تھے اور علاج جاری نہ رہ سکتا تھا۔ معالج سب کے سب متفق تھے کہ علامہ کو عظم واتساع قلب کا عارضہ ہے چوں کہ قلب ضعف کی وجہ سے اپنے وظائف پوری طرح ادا نہیں کر سکتا۔ اس لیے دمہ عارض ہے..... مرض الموت کی کیفیت یہ تھی کہ آخر میں استسقا ہوا۔ چہرے پاؤں پر ورم ہو گیا۔ درد پشت اور درد شانہ کے عوارض شروع ہو گئے..... یہ واقعہ پانچ بج کر پانچ منٹ کا ہے۔ علامہ نے علی بخش سے فرمایا۔ میرے شانوں کو دباؤ۔ پھر بستر پر بیٹھے بیٹھے اپنے پاؤں پھیلا دئے اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہا ''یا اللہ! یہاں درد ہے'' اس کے ساتھ ہی سر پیچھے کی طرف ڈھلنے لگا۔ حضرت حکیم الامتؒ نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں''۔

روزگار فقیر میں فقیر سید وحید الدین اقبال کے بھتیجے اعجاز احمد کے قول سے لکھتے ہیں---

''علاج کرنے میں علامہ کے معالجوں اور تیمارداروں کو تین وقتوں سے دوچار ہونا پڑتا۔ ایک تو یہ کہ دوا اگر بد ذائقہ اور ناگوار بو والی ہوتی تو علامہ اُس کو پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ استعمال کرنے سے جی چراتے تھے دوسرے جو لوگ اُن سے ملنے کے لیے آتے وہ کوئی نہ کوئی مجرب اور آزمودہ نسخہ ضرور بتا جاتے۔ علامہ ان نسخوں کو بھی استعمال فرما لیتے۔ تیسری مشکل یہ تھی کہ طبیعت پرہیز کی پابندی سے کتراتی تھی۔ اس طرح باقاعدگی کے ساتھ مسلسل علاج معالجہ نہ ہو سکتا تھا''۔

ہم یہاں ڈاکٹر جاوید اقبال کی شاہکار کتاب زندہ رود سے آخری ایام کے وہ جملے اقتباس کے طور پر پیش کریں گے جن کا تعلق اس موضوع سے ہے۔ لکھتے ہیں---

''وسط مارچ ۱۹۳۸ء سے اقبال کی حالت تشویش انگیز ہوتی چلی گئی۔ وہ ایلوپیتھک دوائیں پسند نہ کرتے تھے۔ ان سے انھیں کوئی فائدہ بھی نہ ہوتا تھا۔ دمے کے دورے پڑتے تھے۔ شانے اور کمر کا درد بدستور تھا۔ قلب جگر گردے سب ماؤف ہو چکے تھے۔ فرماتے نیند نہیں آتی۔ کھانسی کا دورہ پڑتا۔ بعض اوقات کھانستے کھانستے غشی کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ چند ہفتے

گزرنے کے بعد پاؤں متورم ہو گئے ۔۱۹؍اپریل ۱۹۳۸ء کو بلغم میں خون آنے لگا۔آخری شب کو اقبال کوئی گھنٹے بھر کے لیے سوئے ہوں گے کہ شانوں میں شدید درد کے باعث بیدار ہو گئے ۔ڈاکٹر عبدالقیوم اور میاں محمد شفیع نے خواب آور دوا دینے کی کوشش کی مگر انھوں نے انکار کر دیا۔فرمایا دوا میں افیون کے اجزا ہیں اور میں بے ہوشی کے عالم میں مرنا نہیں چاہتا۔''

سید نذیر نیازی نے جن کے نام علامہ کے سب سے زیادہ خطوط ان کی بیماری کے تعلق سے ہیں علامہ کے انتقال کے کچھ مہینے بعد ایک طویل مضمون ''اقبال کی آخری علالت'' شائع کیا جس میں لکھتے ہیں ---''کہ حضرت علامہ کا مرض فی الحقیقت کیا تھا؟ قرشی صاحب کہتے ہیں کہ انھیں عظم واتساع قلب کی شکایت تھی یعنی دل کے مناسب عمل میں نقص واقع ہو گیا تھا جس سے ان کے عضلی ریشے بڑے ہو کر لٹک گئے تھے اس طرح ان کے دل کی عضلی دیواریں دبیز اور ڈھیلی ہو گئیں اور ان کے جوف پھیل گئے ان کی رائے میں سانس کی تکلیف دمۂ قلبی کی وجہ سے تھی۔حضرت علامہ کی کھانسی، بول زلالی، نبض کا ضعیف، سریع اور غیر منظم ہونا یہ سب اتساع قلب کے علامات ہیں۔مزید برآں ان کا جگر بھی بڑھا ہوا تھا اور اگرچہ اتساع قلب میں بھی دوران خون کے اختلال کے باعث جگر بڑھ جاتا ہے مگر حضرت علامہ کا جگر پہلے سے ماؤف تھا۔ڈاکٹر زیلٹر (Dr Selzer) کا بھی یہی خیال تھا کہ حضرت علامہ کو اتساع قلب کا عارضہ ہے اور گلے کی تکلیف مقامی فالج کا نتیجہ ہے۔''

اقبال خود الیاس برنی کو لکھتے ہیں ---''طویل بیماری سے قلب کی رگیں کمزور ہو گئیں ہیں۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں ذرا سا کام کروں یہاں تک کہ حمام میں ہاتھوں سے اپنا بدن ملوں تو دم پھولنے لگا ہے۔مجھے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں چارپائی پر لے جایا جاتا ہے وغیرہ۔

جب بعض ڈاکٹروں نے Aorta کا پھیل جانا یا انورزم کی تشخیص دی تو سید نذیر نیازی کے قول کے مطابق حکیم نابینا نے فرمایا: ''بے شک ڈاکٹر صاحب کے اعصاب کمزور ہیں اور ان کا قلب بھی ضعیف ہے لیکن مجھے ڈاکٹروں کی رائے سے اتفاق نہیں۔حکیم صاحب نے مزید فرمایا۔علامہ کے اعصاب میں برودت ہے قلب ضعیف ہے جگر میں حدت پیدا ہو گئی ہے ان کو ہلکا سا دمہ ہے۔ڈاکٹروں نے بلغم کے ابھار کو غلطی سے رسولی سمجھ لیا ہے''۔

اختلاج قلب (Palpitation)

علامہ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اختلاج قلب کی شکایت جوانی سے تھی۔ چنانچہ

۱۲ رمئی ۱۹۲۲ء کو اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کو لکھتے ہیں ---

بھائی صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو گیارہ روز میں دو دفعہ اختلاج قلب کی شکایت ہوئی ہے۔میرا خیال ہے کہ شاید اس کا باعث بائی سیکل کی متواتر سواری ہے ..... کسی عمدہ ٹانک کا استعمال ضروری ہوگا ۔اس قسم کی شکایت مجھے بھی زمانۂ طالب علمی میں تھی ۔گھبرانا نہیں چاہئے ۔اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔

۲۳ رمارچ ۱۹۳۵ء کو محمد عباس علی خاں لمعہ کو لکھتے ہیں ---

گولیوں کا استعمال جاری ہے اور کسی بھی استعمال کرتا ہوں ۔جس سے اختلاج میں ضرور افاقہ ہوتا ہے اس کے ساتھ آپ کی حسب خواہش آنولے کا مربہ بھی استعمال کر رہا ہوں ۔

سید نذیر نیازی نے اقبال کے حضور میں لکھا ہے کہ ۴ رمارچ ۱۹۳۸ء کو اختلاج کے دورے پڑے لیکن طبیعت جلد ہی سنبھل گئی ۔لکھتے ہیں ---

''اس اثنا میں حضرت علامہ کو دو ایک بار اختلاج کا ہلکا سا دورہ ہوا اور اس لیے تشویش تھی کہ ان کے جذبات کی شدت کوئی اندیشہ ناک صورت نہ پیدا کر دے لیکن قریشی صاحب نے نبض پر ہاتھ رکھا تو حضرت علامہ سے کہنے لگے ۔یہ اختلاج نہیں ہے احتباس ریح کی وجہ سے قلب پر بوجھ پڑ رہا ہے ۔آپ نے جو دوا ابھی استعمال کی ہے اس سے طبیعت بحال ہو جائے گی ۔چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔اختلاج کی کیفیت جاتی رہی ۔ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔''

تمباکو نوشی

حقہ اور سگریٹ کا استعمال

علامہ کی زیادہ تر بیماریوں کی جڑ تمباکو نوشی تھی ۔اگرچہ تمباکو کے مضر اثرات کا علم کئی سو سال پہلے سے معلوم ہو چکا تھا ۔لیکن گزشتہ نصف صدی میں تمباکو نوشی کے مضر اثرات کا ثبوت تحقیقی اور تجرباتی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے ۔اس لیے آج ڈاکٹر تمباکو نوشی کو سختی سے منع کرتے ہیں ۔آج کی جدید میڈیکل تحقیق کے بموجب برونکائیٹس، ضعف قلبی، دمہ، گلو کی خرابی، گردہ کی بیماری اور آواز کا بیٹھ جانا وغیرہ سب کچھ تمباکو نوشی کی وجہ سے ہو سکتے ہیں ۔ اقبال عموماً حقہ پیتے اور جب گھر سے باہر یا سفر پر ہوتے تو سگریٹ کا ڈبہ ساتھ رکھتے تھے ۔

خطوط اور مستند حوالوں کی روشنی میں ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے کم از کم تیس

(۳۰) پینتیس (۳۵) سال تمباکو کا استعمال کیا ہے۔ حالات کے تیوروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دمہ کا دورہ ختم بھی نہیں ہوا۔ اقبال کے خدمت گزار علی بخش نے حقہ پر تازہ تمباکو سے لدی چلم چڑھادی۔ دن ہو یا رات، خلوت ہو یا جلوت، سفر ہو یا حضر تمباکو علامہ اقبال کا مونس و یاور بنا ہوا ہے۔

اقبال کی سگریٹ نوشی کا مستند حوالہ ۲۵ رنومبر ۱۹۰۵ء کے خط میں جو مولوی ثناء اللہ خان کو لکھا گیا نظر آتا ہے۔ لکھتے ہیں ---

ایک نوجوان مصری دکاں دار سے میں نے سگریٹ خریدنے چاہے اور باتوں میں اس نے کہا۔ میں مسلمان ہوں؟

اقبال کی سگریٹ نوشی کا ایک اور حوالہ ہمیں فقیر وحید الدین کی کتاب روزگار فقیر میں ملتا ہے۔ لکھتے ہیں ---

ڈاکٹر صاحب ایک بار سیالکوٹ سے ریل گاڑی میں لاہور جارہے تھے، شیخ اعجاز احمد بھی اس ٹرین سے انٹر کلاس میں سفر کررہے تھے، سمبڑیال اسٹیشن پر جب ٹرین ٹھہری تو شیخ صاحب سیکنڈ کلاس میں ڈاکٹر صاحب سے کھانے کے لیے دریافت کرنے کی غرض سے آئے۔ اسی ڈبے میں سکھے زئی خاندان کے ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، جب انہیں پتہ لگا کہ شاعرِ شرق اُن کے ہم سفر ہیں۔ تو انھوں نے حیرت و مسرت کے ملے جلے انداز میں کہا ''یہ ڈاکٹر محمد اقبال ہیں؟ ان سے میرا تعارف کرا دیجئے''۔

ڈاکٹر صاحب نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اُن سے ہاتھ ملایا اور اپنی سگریٹ کی ڈبی کھول کر ایک سگریٹ پیش کی، ہم سفر بزرگ نے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ سے وہ سگریٹ لے لی مگر سگریٹ سلگانے کی بجائے اُسے جیب میں رکھ لیا۔ ڈاکٹر صاحب کو حیرت ہوئی، انہوں نے پوچھا کہ آپ نے سگریٹ سلگائی نہیں، وہ صاحب بولے کہ یہ متبرک سگریٹ میرے خاندان میں یادگار کے طور پر محفوظ رہے گی۔ ڈاکٹر صاحب اس پر مسکرائے انہوں نے دوسری سگریٹ دیتے ہوئے فرمایا اچھا تو اس سے شوق فرمایئے۔ ہم سفر بزرگ نے اس سگریٹ کو بھی سلگائے بغیر جیب میں رکھ لیا۔ ڈاکٹر صاحب متبسم ہو کر چپ ہو گئے۔

فقیر وحید الدین ''روزگار فقیر'' میں لکھتے ہیں ---

''حقہ ان کی زندگی کا بہترین ساتھی تھا۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ وہ تو موجود ہوں اور حقہ ان کے پاس موجود نہ ہو۔ علی بخش کو بھی سب سے زیادہ ان کے حقہ کا ہی خیال رکھنا پڑتا۔

جب کسی دوست کے ہاں تشریف لے جاتے تو ان کی سب سے بڑی تواضع یہی سمجھی جاتی اور میزبان سب سے پہلے اسی کی فکر کرتا۔ علامہ اقبال کو دنیا کی چیزوں میں سب سے زیادہ دلچسپی حقے سے تھی۔ اُن کے والد اور بڑے بھائی محمد عطا محمد بھی حقے کے بڑے شوقین تھے۔ علامہ کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۱۲ء میں ان کے والد عطا محمد کیمبل پور میں تعینات تھے۔ انھی دنوں عدالتِ عالیہ کے بند ہو جانے پر علامہ اقبال اپنے وطن سیالکوٹ تشریف لائے ہوئے تھے۔ اتفاق کی بات کے کیمبل پور سے ایک شخص آیا اور علامہ کو مقدمہ کی پیروی کے لیے کیمبل پور لے جانا چاہا۔ علامہ اقبال سفر سے بہت جی چراتے تھے لیکن اس خیال سے کہ اس بہانے بڑے بھائی سے کیمبل پور میں ملاقات بھی ہو جائے گی مقدمہ لے لیا۔ علامہ کیمبل پور پہنچے شیخ اعجاز احمد اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے۔ واپسی پر آدھی رات کے قریب وزیر آباد جنکشن سے سیالکوٹ کے لیے گاڑی بدلنی تھی جو صبح کے پانچ بجے چلتی تھی۔ سیالکوٹ جانے والی گاڑی میں علامہ آ کر بیٹھ گئے اب انھیں حقہ کی طلب ہوئی۔ قلی جو سامان اٹھا کر لایا تھا اُس سے کہا کہ اگر اس وقت کہیں سے حقہ لے آؤ تو تمھیں انعام ملے گا۔ قلی انعام کے لالچ میں اُلٹے پاؤں واپس ہوا اور تھوڑی سی دیر میں ایک بوسیدہ سا حقہ لے کر آ گیا۔ اس حقے کی ہیئت یہ تھی کہ مٹی کا پیڑا اور ٹوٹی ہوئی چلم۔ کہنگی اور بوسیدگی میں یہ حقہ اپنی مثال آپ ہی تھا۔ مگر علامہ اس حقے کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے۔ انھوں نے اپنے بند ھے ہوئے بستر کو پلیٹ فارم پر رکھوایا۔ اس پر بیٹھ کر حقے کے کش لگانے لگے۔ قلی بھی وہیں زمین پر بیٹھ گیا اور علامہ اقبال حقہ پیتے ہوئے اس قلی کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ جب علامہ حقہ پی کر سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں آ گئے تو شیخ اعجاز احمد نے کہا کہ حقہ تو بہت گندا تھا۔ نہ جانے قلی کہاں سے کس کا اٹھا لایا تھا۔ علامہ نے اس کے جواب میں کہا کہ جس کو تمباکو کی عادت پڑ جائے اُسے طلب کے وقت ان نزاکتوں کا خیال ہی نہیں آتا۔

اقبال اکاڈمی کراچی کے سہ ماہی مجلّے اقبال ریویو کے شمارۂ جنوری ۱۹۶۹ء میں خواجہ عبدالوحید صاحب کا ایک مضمون ''میری ذاتی ڈائری میں ذکرِ اقبال'' شائع ہوا ہے۔ اس میں خواجہ صاحب نے بھی علامہ اقبالؒ پر شراب نوشی کے الزام کی اس طرح نفی فرمائی ہے:

''میں نے حضرت علامہ کو شروع سے لے کر ان کی وفات تک (تقریباً تیس برس) حقہ پیتے دیکھا اور کبھی یہ نہیں سنا کہ انھوں نے اس تمام زمانے میں شراب کو ہاتھ لگایا ہو۔'' خواجہ عبدالوحید صاحب کے مندرجہ بالا بیان کے مطابق انھیں تقریباً تیس برس حضرت علامہ کو قریب

سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا، یعنی وہ علامہ صاحب کو ۱۹۰۸ء میں انگلستان کے واپسی کے فوراً بعد سے جانتے ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں علامہ صاحب کی عمر ۳۴، ۳۵ برس تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ علامہ علیہ الرحمۃ عالم شباب میں بھی شراب نوشی سے محفوظ تھے۔ خواجہ عبدالوحید صاحب کا بیان میری تحقیق کی تائید کرتا ہے کہ علامہ صاحب نے اپنی زندگی میں کبھی بھی شراب سے شغف نہیں رکھا۔

علامہ اقبال ہرگز شراب نوش نہ تھے بلکہ شراب نوشی کو خودکشی کے مترادف قرار دیتے تھے۔ یہاں یہ بیان کردینا بھی ضروری ہے کہ قیامِ یورپ کے تین برسوں میں اور بعد میں بھی جب کبھی وہ یورپ گئے، انھوں نے گوشت بالکل استعمال نہ کیا، چہ جائے کہ شراب۔ واپس آکر وہ اکثر سنایا کرتے تھے کہ وہاں کوئی گوشت مسلمان کے کھانے کے قابل نہیں ہوتا کیونکہ غیر اسلامی طریق سے ذبح شدہ جانوروں اور سور کا گوشت ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ ان کا یہ عمل حرام چیزوں سے اُن کی بے پناہ نفرت کی عیاں دلیل ہے۔ اس کے علاوہ جب وہ یورپ گئے تو عام ہندوستانی طلبا کی طرح وہاں کے چارتحائف خمر وخنزیر و روزنامہ وزن سے مرعوب نہ ہوئے۔ برخلاف اس کے اُن پر ان کا برعکس اثر پڑا۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قیامِ یورپ کے دوران انھوں نے ہر اُس چیز سے پرہیز کیا جو اسلام کو رو سے حرام ہے، تو آخر اپنے ملک میں وہ کیوں ان سے دور نہ رہے ہوں گے؟ یورپ کے مسموم ماحول میں، جہاں بڑے بڑے پارساؤں کی پارسائی پانی کا بلبلہ ثابت ہوتی ہے، علامہ اقبالؒ جب ہر طرح ثابت قدم رہے تو پھر ہندوستان کے بدرجہا بہتر ماحول میں ان کے مضبوط قدم آخر کس طرح ڈگمگا سکتے تھے!

ہم اب ایک خوبصورت واقعہ کی روداد پیش کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال سگریٹ اور حقہ تو پیتے تھے لیکن شراب کو ہاتھ بھی نہ لگاتے تھے۔

اقبال بیرون خانہ میں صوفی نظیر خالد نے اپنی والدہ وسیمہ مبارک سے نقل کیا ہے جو اقبال کی حقیقی بھتیجی تھیں کہ ''جب اقبال مسلم لیگ ایجوکیشن کانفرنس کی دعوت پر چند اہم لیکچر زدینے کے لیے جنوبی ہندوستان گئے تو واپسی پر یہ واقعہ سنایا کہ ان کی ملاقات مدراس کے ریلوے اسٹیشن پر کونونٹ کی طالبہ حجاب اسماعیل سے ہوئی جنھیں ان کی ملّی نظمیں بہت پسند تھیں۔ نظیر صوفی لکھتے ہیں۔ اس واقعہ کو بعد میں حجاب اسماعیل جو حجاب اسماعیل تاج ہوگئیں ہیں بیان کرتی ہیں۔ ''جب میرے والد سید محمد اسماعیل نے یہ مژدہ مجھے سنایا کہ علامہ صاحب آرہے ہیں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں ان کے ترانے چھ سات سال کی عمر ہی میں بہت جوش اور ولولے سے

گایا کرتی تھی۔ میں نے اپنے والد سے کہہ دیا تھا کہ میں علامہ کے دور قیام میں تمام وقت ان کے ساتھ رہوں گی۔ جب میں شاعرِ شرق کے استقبال کے لیے اپنے والد ماجد کے ساتھ مدراس سے ایک اسٹیشن قبل ''بیسن برج'' پہنچی تو میں شوق و ولولہ کے ساتھ اپنی تصوراتی دنیا میں غرق تھی۔ خیال تھا صبح کا وقت ہے علامہ صاحب ایک اعلیٰ درجے کے ہلکے رنگ کے سوٹ میں ملبوس ہوں گے۔ نکٹائی بھی میچ کر کے لگا رکھی ہوگی۔ انگلیوں میں موتا سا سگار سلگ رہا ہوگا۔ ٹرین پلیٹ فارم پر آ کر رکی۔ میں اور میرے والد اور ان کے چند دوست فرسٹ کلاس کے ڈبوں میں جھانک جھانک کر دیکھتے رہے مگر خلاف توقع علامہ صاحب سیکنڈ کلاس میں تھے۔ اس وقت مجھے انتہائی حیرت ہوئی کہ اتنا عظیم آدمی اور سیکنڈ کلاس میں سفر! میں نے اپنے والد سے سرگوشی میں کہا کہ اگر کوئی انجمن مجھے سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ بھیج کر بلواتی یا میں علامہ اقبال ہوتی تو صاف انکار کر دیتی۔ میرے والد نے کہا کہ بڑے لوگ چھوٹی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ شاعرِ شرق کھڑے ہو کر لوگوں سے ہاتھ ملانے اور رسمی باتیں کرنے لگے۔ میں ایک کونے میں کھڑی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی کیا یہی علامہ اقبال ہیں؟ وہ نہ اعلیٰ درجہ کے ہلکے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھے نہ اُن کی انگلیوں میں موتا سگار جل رہا تھا انھوں نے پنجابی شلوار پہن رکھی تھی اور کُرتے پر واسکوٹ اور پاؤں میں دیسی جوتی۔ میں انھی خیالات میں غلطاں و پیچاں تھی کہ اچانک میرے والد نے نہ جانے کیا کہہ کر میرا تعارف کرایا۔ یہ بھی کہا کہ اُن کے قومی ترانے میری گھٹی میں پڑے ہیں۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے کھڑے ہو گئے پھر مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ بٹھاتے ہی ایک سگریٹ کا ڈبہ کھول کر مجھے سگریٹ پیش کیا۔ اس پر میرے والد کے ایک دوست نے مسکرا کر کہا سگریٹ! ابھی تو یہ بینٹ تھامسن کانونٹ میں پڑھتی ہیں۔ کانونٹ کا نام سن کر علامہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ مسکرا کر فرمانے لگے۔ بتایئے کانونٹ میں عیسائیت کا آپ نے اب تک کتنا اثر قبول کیا ہے؟ میں نے کہا بہت تھوڑا سا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ اتنے دل نشین ترانے مثلاً ''مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا'' کیسے لکھتے ہیں۔ اس پر شاعرِ شرق نے بے حد شگفتگی سے فرمایا۔ ''اب میں مان گیا کہ عیسائیوں کے کانونٹ کا آپ نے ذرا بھی اثر قبول نہیں کیا جبھی تو آپ کا ''مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا'' پر ایمان ہے۔

سوا بجے میں اپنے والد کے ساتھ لنچ کے لیے بسانٹو ہوٹل پہنچی۔ لنچ سے پہلے استقبالی کمرے میں مہمانوں کا ہجوم تھا۔ مجھے موقع نہ ملا کہ ان کے قریب جاتی۔ انھوں نے وہیں سے ہاتھ ہلا کر مجھے سلام کہا۔ اب وہ ایک ہلکے نیلگوں گرے رنگ کے سوٹ اور کالی ٹوپی میں ملبوس تھے۔ کمرہ

طعام میں داخل ہوئے تو لمبی لمبی میزوں پر شراب کے گلاسوں کے پاس مہمانوں کی نشست کے لیے ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔مہمان کارڈ دیکھ دیکھ کر اپنی نشستوں پر بیٹھنے لگے۔لوگوں کو تعجب ہوا جب علامہ نے خود اپنے سیدھے ہاتھ کی طرف کی کرسی کھینچتے ہوئے میری طرف دیکھ کر فرمایا۔کیا مضائقہ ہے اگر آپ یہاں تشریف رکھیں۔ جب میرے اور علامہ کے آگے رکھے ہوئے گلاسوں میں مختلف قسم کی شراب بیروں نے ڈالنی شروع کی تو ایک بیرے سے میں نے آہستہ سے کہا۔میرے لیے لیمونیڈ لے آؤ۔علامہ نے کہا آپ صرف لیمونیڈ پئیں گی میں نے کہا میں شراب نہیں پیتی۔آپ پی لیتے ہیں؟ ہنس کر کہنے لگے۔بالکل نہیں۔آپ کو شاید معلوم نہیں میں نے اپنے قیام انگلستان کے دوران بھی کبھی شراب کا ایک قطرہ نہیں چکھا۔ یہ فقرہ سن کر آس پاس جو لوگ بیٹھے تھے انھوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں۔ جاتے وقت انھوں نے کہا آپ سے مجھے مل کر بڑی خوشی ہوئی آپ ایک جوشیلی اور پر خلوص مسلمان بچی ہیں۔

ورزش سے گریز(Sedentary Life Style)

بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی طرح مصروف زندگی کی وجہ سے علامہ اقبال کی روزمرہ کی زندگی تساہل پسندی کی طرف مائل تھی جو تمباکو نوشی کے اضافہ سے قلبی اور صدری بیماریوں کا شکار ہوئی۔ذیل کے خطوں اور مستند حوالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ صرف نوجوانی میں کچھ کسرت اور ورزش کرتے تھے لیکن بعد میں معمولی سیر یا ہوا خوری بھی نہیں کرتے تھے۔

علامہ کے بھائی کے نواسے خالد نظیر صوفی اقبال درونِ خانہ میں لکھتے ہیں۔

"علامہ فطرتاً تساہل پسند تھے۔چارپائی پر نیم دراز یا گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے رہنے کے بڑے دلدادہ تھے۔صبح یا شام کو سیر کی عادت نہ تھی۔شام کے وقت صحن میں ہی دو ایک چکر لگا لیتے اور بس یہی ان کی سیر تھی۔"

۳۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں۔۔۔

میری صحت عام طور سے اچھی نہیں رہتی۔کوئی نہ کوئی شکایت دامن گیر رہتی ہے۔دوا پر مجھے چنداں اعتبار نہیں۔ورزش سے گریز ہے۔اس واسطے یہ فیصلہ کر بیٹھا ہوں کہ چلو اگر مقررہ وقت سے کچھ عرصے پہلے رخصت ہو گئے تو کیا مضائقہ ہے۔میرے دوست ڈاکٹر ہمیشہ کہتے ہیں کہ ورزش وغیرہ سے عمر میں اضافہ ہوگا میرا جواب یہی ہوتا ہے کہ دس سال پہلے کیا اور پیچھے کیا۔آخر رخصت ہونا ہے تو کیوں دوا اور ورزش کا دردسر خریدا جائے۔

۱۲ر جولائی ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

ہوا خوری کی کوشش کروں گا مگر اس کی عادت پڑنا مشکل ہے کیوں کہ تمام عمر میں کبھی ایسا نہیں کیا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے گا کہ مجھے نماز کا پورا پابند کرنے اور ہوا خوری کی عادت ڈالنے کے لیے آپ کے روحانی اثر کی ضرورت ہے۔

مولانا غلام مہر رسول مہر اقبال درونِ خانہ کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔''بالکل ابتدائی دور میں وہ پہلوانوں کے اکھاڑے میں جاتے اور ورزش کرتے تھے۔ایک زمانے میں سیر بھی باقاعدہ کرتے تھے۔حقیقت یہ ہے کہ علامہ کی طبیعت ابتدا ہی سے غور وفکر میں انہماک و استغراق کی طرف مائل تھی۔ رفتہ رفتہ یہ انہماک بڑھتا گیا اور نقل وحرکت بار خاطر ہونے لگی۔ اس وجہ سے ان کے جسم کا نچلا حصہ کمزور ہو گیا تھا۔ اگر چہ عام ملاقاتیوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا تھا وہ بیٹھنے کے لیے جو کرسی استعمال فرماتے تھے وہ بھی ایک حد تک آرام کرسی ہی تھی۔ مرحوم کی نشست کا معاملہ بھی عجیب تھا ان کے ارشادات کا سلسلہ جاری ہو جاتا تو وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ رہتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک روز مجھے فرصت تھی اور میں صبح ہی ان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ میکلوڈ روڈ والی کوٹھی کے وسیع برآمدے میں باتیں شروع ہو گئیں جب میں اجازت لے کر اٹھا تو گیارہ گھنٹے گزر چکے تھے۔ دوپہر کا کھانا بھی وہیں کھایا اس اثنا میں کرسیاں تو اِدھر اُدھر کھسکاتے رہے لیکن اٹھے نہیں اور اتفاق یہ کہ اس روز کوئی ملاقاتی بھی صحبت میں دخل انداز نہ ہوا۔

مزید غلام رسول مہر لکھتے ہیں۔ دسمبر ۱۹۳۱ء میں وہ لندن سے روما نیپلز اور قاہرہ ٹھہرتے ہوئے یروشلم گئے تھے جہاں سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین نے موتمر اسلامی کے انعقاد کا انتظام کیا تھا۔ مجھے بھی ہم رکابی کا شرف حاصل تھا۔ایک مرتبہ صدر بلدہ یروشلم کی جانب سے ایک ہوٹل میں عصرانے کا انتظام کیا گیا جو ہماری قیام گاہ سے قریباً دو فرلانگ یا اس سے کسی قدر زیادہ فاصلے پر تھا ہم موٹر میں وہاں پہنچے ۔واپسی کے لیے موٹر کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ میں نے عرض کیا ہماری قیام گاہ کچھ دور نہیں ہے کیوں نہ ٹہلتے ٹہلتے پیدل وہاں پہنچ جائیں ۔فرمایا۔ٹھیک ہے چلو لیکن پانچ دس قدم چل کر رک گئے اور فرمایا۔ ہم تھک جائیں گے حسن اتفاق سے اسی وقت ایک موٹر آ گئی اور ہم قیام گاہ پر پہنچ گئے ۔غرض ان کے لیے دو فرلانگ بھی چلنا مشکل تھا اور یہ فکری انہماک میں نقل وحرکت سے گریز ہی کا نتیجہ تھا۔

❀❀❀

امراض حلق و سینہ (Throat & Chest Diseases)

علامہ اقبال کے سینے (chest) کے عوارض کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔عوارض حلق یعنی گلے کا درد اور آواز کا بیٹھ جانا

۲۔عوارض پھیپھڑے جس میں برونکائٹس، برونشت اور دمہ شامل ہے۔

۳۔عوارض قلب جس میں دمہ قلبی، اختلاج قلب، ضعف قلب اور قلب کا پھیل جانا شامل ہے۔

۴۔ سینے کے اوپری حصہ میں غیر تشخیص شدہ سایا۔انورزم یا ٹیومر؟

کیوں کہ عوارض حلق، عوارض قلب اور سینے کے اوپری حصہ میں غیر تشخیص شدہ سایا پر علیحدہ مفصل گفتگو ہو چکی ہے اس لیے یہاں ہم نے پھیپھڑوں کے ہر عارضے کو جدا طور پر بیان کیا ہے۔

پھیپھڑوں کی بیماریاں

علامہ کے خطوط، مستند حوالوں اور ان کے ایکس ریز رپوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کم از کم چھ پھیپھڑوں کی بیماریاں یا عوارض تھیں۔

۱۔برونکائٹس (Chronic Bronchitis)

۲۔برونشت (Bronchectasis)

۳۔دمہ (Bronchial Asthma)

۴۔ام فی ضیما (Emphysema)

۵۔ورم ریوی (Pulmonary Oedema)

۶۔نمونیا (Terminal Pneumonia)

برونکائٹس، برونشت اور ام فی ضیما

Chronic Bronchitis, Bronchectasis, Asthma & Emphysema

طب جدید میں فوق ذکر بیماریوں کو جس میں برونکائٹس، برونشت، دمہ اور ام فی ضیما شامل ہے۔(COPD) یعنی Chronic Pulmonary Obstructive Diseases کہتے ہیں۔ اگر چہ ان چاروں بیماریوں کی علت ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن کم و بیش ان کے اثرات اور ان کے علاج میں مشترکہ عوامل زیادہ ہیں۔اس لیے ہم اجمالی طور پر ان کے بارے میں

ضروری اطلاعات فراہم کریں گے۔

اقبال نے کم از کم تیس (30) پینتیس (35) برس تمباکو نوشی کی۔ عمر کی آخری دو دہائیوں میں ہر روز صبح سفید رنگ کی بلغم نکلتی تھی جو سردیوں میں زیادہ ہو جاتی تھی اور کبھی کبھی پک کر زرد اور منجمد ہو جاتی جس سے انھیں تکلیف ہوتی چنانچہ یونانی دواؤں اور جوشاندوں سے آرام ملتا۔ جب تک بلغم خارج نہ ہوتی آواز صاف نہ ہوتی چنانچہ بعض اوقات کھانسی، بخار اور زرد بلغم کو دور کرنے کے لیے ایلو پیتھک علاج بھی کرواتے۔

آج ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ جو لوگ بڑی مدت تک تمباکو نوشی کرتے ہیں وہ برونکائٹس کا شکار ہوتے ہیں جس میں ہر روز صبح کے وقت سفید رنگ کی بلغم (Mucus) نکلتی ہے اگر بلغم زرد اور سخت منجمد ہو جائے تو اس میں انفکشن کا امکان رہتا ہے۔

ذیل کے مختلف خطوط سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اقبال کو برونکائٹس کے علاوہ برفاشت (Bronchiectasis) بھی تھی جس کی تشخیص ایکس ریز میں دی گئی تھی۔ جس میں پھیپھڑے کی نالی مقامی طور پر پھیل جاتی ہے اور اس مقام پر بلغم کی تولید اور جمع آوری زیادہ ہوتی ہے۔

سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''کل دوبارہ معائنہ کروایا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلغم اُس نالی میں پیدا ہوتی ہے جس کا مقام بقول ڈاکٹروں کے پھیل گیا ہے''۔

اقبال ۵ر جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''بلغم بھی نکلتی ہے مگر کبھی کبھی منجمد بلغم بھی نکلتی ہے مگر بہت کم''۔

۱۲ر ستمبر ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''کھانسی بہت کم ہو گئی ہے بلکہ جاتی رہی ہے۔ انگریزی دوا سے بہت فائدہ ہوا۔ زرد رنگ کی جمی ہوئی بلغم جو پہلے آتی تھی اب نہیں آتی البتہ وہ معمولی بلغم جو زکام سے پہلے بھی آتی تھی ابھی آتی ہے۔ حکیم صاحب سے اب یہ عرض کرنا ہے کہ جو دوا وہ تجویز کریں اس میں تین باتوں کا لحاظ رکھیں۔

(۱) قوت جسمانی۔

(۲) آواز۔

(۳) بلغم کا سدباب کہ اسکا پیدا ہونا بند ہو۔

سردیوں میں اس بیماری میں بلغم زیادہ نکلتی ہے چنانچہ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے

ہیں ---

''بلغم صبح کے وقت بہت نکلتی ہے اور اس کے نکلنے سے آواز بھی قدرے صاف ہو جاتی ہے''۔

۱۵ر نومبر ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''معلوم نہیں یہ بلغم اتنی کہاں سے آتی ہے اور کیوں کر پیدا ہوتی رہتی ہے۔ میں کوئی ایسی چیز بھی نہیں کھاتا جس سے بلغم پیدا ہو۔ تاہم جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کھانا کھانے، چائے پینے، یا پانی پینے کے بعد بلغم نکلتی ہے اور نکلنے کے بعد آواز نسبتاً صاف ہو جاتی ہے۔ تھوڑی مدت گزرنے کے بعد پھر اسی طرح ہو جاتی ہے''۔

۱۲ر نومبر ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''کھانا کھانے، چائے پینے، مرغ کا شوربہ پینے یا پانی پینے کے بعد بلغم خاص طور پر نکلتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس صبح کے وقت خاص طور پر نکلتی ہے پہلے یہ بلغم پختہ اور ٹھوس بھی ہوتی تھی اب اس قدر ٹھوس نہیں بلکہ لزوجت ہے''۔

۱۳ر جون ۱۹۳۵ء کو پروفیسر الیاس برنی کو لکھتے ہیں ---

''صبح بلغم نکلتی ہے علیٰ ہذا القیاس کھانا کھانے کے بعد بھی سفید بلغم نکلتی ہے جس کے نکلنے سے آواز نسبتاً بہتر ہوتی ہے''۔

۲۲ر جون ۱۹۳۵ء کو پروفیسر الیاس برنی کو لکھتے ہیں ---

''فی الحال میری شکایات یہی ہیں جو لکھ چکا ہوں۔ یعنی عام کمزوری، قلب کی کمزوری، دم پھولنا، قبض اور جگر کے فعل کی بے قاعدگی، بلغم وغیرہ اس سے پہلے کھانسی اور دمہ بھی تھا اور جب کھانسی ہوتی تھی تو میں بے ہوش ہو جاتا تھا''۔

۵ر ستمبر ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''حکیم صاحب ..... کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دیں کہ لاہور پہنچتے ہی مجھے زکام ہو گیا تھا جو تین دن رہا۔ بیدانہ اور شربت پینے سے بلغم پک گئی ہے مگر ذرا وقت سے نکلتی ہے اس بات کا وہ دوا تجویز کرنے میں خیال رکھیں بعض دفعہ بلغم نکالنے کی کوشش میں وہ حالت یا اس کا خفیف سا پرتو پیدا ہو جاتا ہے جس کو حکیم صاحب نے ہلکا سا دمہ بتایا تھا''۔

۲۷ر نومبر ۱۹۳۷ء ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

''نیز مندرجہ ذیل باتیں ان کی خدمت میں عرض کیجئے .....

دو یم۔ بلغم۔ میری طرف سے حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے کہ اس شکایت کی

طرف خاص توجہ دیں۔گرمی میں یہ بلغم بہت کم تھی۔اب جوں جوں سردی زیادہ ہوتی جاتی ہے بلغم میں بھی زیادتی ہوتی جاتی ہے۔صبح تقریباً ایک گھنٹہ تک بلغم جاری رہتی ہے۔دوسرے اوقات میں بھی کبھی آتی ہے کبھی نہیں آتی ہے۔بلغم کچی ہوتی ہے اور اس کے نکل جانے سے آواز میں صفائی اور ترتی پیدا ہوتی ہے۔ڈاکٹروں کا یہ خیال ہے کہ قلب کے قریب سے جو نالی گزرتی ہے اسی میں یہ بلغم پیدا ہوتی ہے۔شاید اطباء اسکا سرچشمہ دماغ بتاتے ہیں۔بہر حال یہ خط حکیم صاحب کو سنا دیجئے اور اگر کوئی دوا دافع بلغم تجویز فرمائیں تو مہربانی کر کے اسے جلد بھجوا دیجئے''۔

۳۱رجنوری ۱۹۳۸ کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں۔۔۔

''مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلغم اگر بند ہو جائے تو کسی قدر تکلیف دیتی ہے اور اگر ہر صبح آسانی کے ساتھ نکل جائے تو مقابلتاً حالت بہتر رہتی ہے۔بہر حال جو دوائی آپ نے اب بھیجی ہے اس کے استعمال کے بعد زیادہ یقین کے ساتھ کہہ سکوں گا''۔

۳رفروری کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں۔۔۔

''معجون جو آپ نے حکیم صاحب سے لے کر ارسال کی ہے وہ میں نے دو روز استعمال کی ہے اور دو روز میں اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ بلغم کا اخراج بہت کم ہو گیا ہے۔مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ بلغم کی تولید بھی کم ہو گئی ہے۔کیوں کہ بلغم کا اخراج نہ ہونے سے میری آواز پر نمایاں اثر پڑا ہے یعنی گلا بیٹھ گیا ہے۔پہلے یہ تھا کہ بلغم کے ہر صبح اخراج ہو جانے سے آواز صاف رہتی تھی لیکن اس دوائی کے استعمال سے اخراج تو کم ہوتا ہے مگر آواز بیٹھ جاتی ہے''۔

جیسا کہ ہمیں مختلف خطوط اور حوالوں سے معلوم ہوا ہے کہ علامہ کو خفیف سا دمہ جوانی سے تھا۔برونکائٹس اور برفشت کا عارضہ بھی لاحق تھا اور تمباکو نوشی بھی ہمیشہ کرتے تھے۔اس لیے ان کا امی فی نصما سے دوچار ہونا ضروری تھا۔چنانچہ دمہ قلبی کے ساتھ ساتھ ان کے پھیپھڑوں میں آکسیجن کو جذب کرنے کے مقام کی کمی بھی ہو گئی تھی اور ان تمام عوارض کی وجہ سے ان کے پھیپھڑوں میں پانی اور خون بھر گیا تھا اور آخری علالت کے دوران نمونیا بھی ہو گیا تھا۔چنانچہ ان کے بلغم میں خون آنا شروع ہو گیا تھا جس کو ڈاکٹروں نے خطرناک علامت کہا تھا۔

تنگی نفس۔دم پھولنا(Dyspnea)

ہم نے عمداً دمہ یا Asthma کی تشخیص اس لیے نہ دی کہ اقبال کا دم پھولنا Dyspnea یا shortness of breath قلب کے ضعف، ورم ریوی (پھیپھڑوں کے ورم)، Pulmonary

Oedema سے ہو سکتا ہے۔ بہت ممکن ہے خفیف دمہ Emphysema Asthma برونکائٹس Bronchitis اور برفاشت کے ساتھ جوانی کے زمانے سے ہو۔ علالت کے آخری دنوں میں دم پھولنے کی شکایت نمونیا Pneumonia اور پھیپھڑوں کے ورم کی وجہ سے شدید ہو چکی تھی۔

اقبال کے خطوط اور اطرافیان کے مستند حوالوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دم پھولنے کی شکایت روز بروز بڑھتی گئی اور آخری علالت کے ایام میں اقبال کو دمے کے ایسے شدید متواتر دورے پڑتے کہ وہ تقریباً بے ہوش سے ہو جاتے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ابھی دم پھولنے سے مکمل فراغت نہ ہوتی علی بخش تازہ تمباکو بھر کر حقہ حاضر کر دیتا۔

ہم اپنی گفتگو کو یہاں ختم کر کے علامہ کے کچھ خطوط پیش کرتے ہیں جس میں بڑی تفصیل سے دم پھولنا اور دمہ کی کیفیت اور اس سے افاقہ کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ اس فہرست میں اقبال کا آخری خط ان کے انتقال سے صرف دو دن قبل کا ہے۔ دم پھولنے یا دمہ کے سلسلہ کا پہلا خط ہمیں مئی ۱۹۳۷ء کا ملتا ہے۔

اقبال ۲۰ رمئی ۱۹۳۷ء کو شیخ اعجاز احمد کو لکھتے ہیں ---

(ii) دم بھی پھولتا ہے گو پہلے کی نسبت کم اس سے میں یہ اندازہ کرتا ہوں کہ دل کی تقویت کے لیے بھی کسی خاص موثر دوا کی ضرورت ہے۔

۱۸ ردسمبر ۱۹۳۷ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

حکیم صاحب کی توجہ مندرجہ ذیل تین باتوں کی طرف دلائیں۔

(۱) وہ دوائی جو مونگ کے دانہ کے برابر روزانہ استعمال کے لیے تھی ایک مدت سے استعمال ہو رہی ہے۔ مگر بلغم کی تولید پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔

(۲) تھوڑی سی حرکت کرنے مثلاً کپڑے بدلنے یا دس بیس قدم چلنے سے میرا دم پھول جاتا ہے اور اس کے بعد جب تک پانچ سات منٹ بیٹھ نہ جاؤں یا لیٹ نہ جاؤں دم ٹھیک نہیں ہوتا۔ معلوم نہیں کہ یہ نتیجہ اعصاب کی کمزوری کا ہے یا پھیپھڑوں یا قلب کی کمزوری کی وجہ سے۔ یہ بات حکیم صاحب کی خاص توجہ کی مستحق ہے۔ اس سے پہلے اگرچہ دم پھولتا تھا تاہم اس طرح نہیں ہوتا تھا.....

مہربانی فرما کر آپ خود حکیم صاحب کے پاس جائیں اور لفظ بہ لفظ یہ خط ان کو پڑھ کر سنائیں اور جو کچھ وہ کہیں اس سے فوراً مجھے مطلع فرمائیں۔

۲۲ رجنوری ۱۹۳۸ء ڈاکٹر مظفر الدین کو خط میں لکھتے ہیں ---

ڈاکٹر صاحب کے معائنہ کے مطابق قلب اور پھیپھڑوں کی حالت اچھی ہے۔ حکیم قرشی صاحب جو ہمارے طبیہ کالج کے پرنسپل ہیں ان کو نبض بھی دکھائی گئی تھی۔ وہ بتاتے ہیں کہ نبض کی حالت بھی اچھی ہے۔ عام دیکھنے والے بھی میرے چہرے سے بیماری کا قیاس نہیں کر سکتے۔ بایں ہمہ میری سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ ذرا سی حرکت سے میرا دم پھول جاتا ہے تھوڑا سا چلنا پھرنا، کپڑے بدلنا، پاخانے آنا جانا، یہاں تک کہ مسلسل پانی کا آدھا گلاس پینا یہ سب چیزیں تنفس پر اثر کرتی ہیں۔ بعض دفعہ رات کو پچھلے پہر بھی تنفس تکلیف دیتا ہے اور حکیم قرشی صاحب کے جوشاندہ جس میں عناب، گاؤزبان اور ابریشم وغیرہ ہے کے پینے سے آرام ملتا ہے۔ ربع کے اخراج سے بھی تنفس پر اچھا اثر پڑتا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ تنفس کی تکلیف شدت برودت کی وجہ سے ہے یا ربع کی وجہ سے۔ حکیم صاحب قبلہ بہتر اندازہ کر سکتے ہیں۔ غالباً ربع کی وجہ سے ہے۔ قریباً چار سال ہوئے حکیم صاحب نے فرمایا تھا کہ تمہاری بیماری اصل میں مرض دمہ کی ایک ہلکی سی صورت ہے اب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کا ارشاد بالکل بجا تھا۔ تنفس کی یہ حالت اس سے پہلے کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ دم پھولتا تھا مگر موجودہ حالت صرف اسی موسم سرما میں ہوئی ہے اس سے پہلے نہ تھی۔ اس واسطے میری استدعا ہے کہ حکیم صاحب ان حالات کی طرف توجہ فرمائیں۔

۱۲ر فروری کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے مجھ کو زیادہ تر شکایت ایسی بھی ہے کہ ذرا سی حرکت سے دم پھول جاتا ہے اور کبھی کبھی رات کو تنفس کی تکلیف بھی ہوتی ہے۔

۱۸ر فروری ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

کل آپ کا خط لکھ چکنے کے بعد رات کو مجھے تنفس کی بہت تکلیف رہی قریباً ۱۲ بجے شب سے ۳ بجے صبح تک۔ صبح اٹھ کر میں نے ڈاکٹر کو بلوایا اور معائنہ کروایا۔ انھوں نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ یہ دمہ ہے۔ مگر اس دمہ کو پھیپھڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ وہ دمہ ہے جو قلب کے اعصاب کی کمزوری سے پیدا ہوتا ہے۔ میں تو یہ خیال کرتا تھا کہ شاید شدت سرما یا ربع کے باعث تکلیف ہو جاتا ہے مگر اب معلوم ہوا کہ اس کی اصل وجہ قلب کی کمزوری ہے۔ حکیم صاحب کا بھی یہی خیال تھا اسی واسطے ان کو ڈاکٹری کے معائنہ کے نتیجے سے مطلع کرنا ضروری سمجھا ہے۔ تاکہ اگر کوئی میرے لیے معجون تیار کریں تو اس نتیجہ کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

۲۹ر مارچ ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

دمہ کے متواتر دوروں سے بہت تکلیف رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت زندگی سے بھی مایوسی ہو گئی اس وقت نیازی صاحب کے اصرار سے یہ غلطی کی گئی کہ حکیم صاحب کی آمد کی کوشش کرنے کے لیے آپ کو تار دیا گیا۔ میں اس غلطی جس کے ذمہ دار زیادہ تر میرے احباب ہیں، بہت نادم ہوں۔ دو دوائیں جو آپ نے بھیجی تھیں ان کا استعمال آج آٹھ نو روز سے جاری ہے۔ دوروں کے تواتر میں بہت افاقہ ہے اور صحت اپنی اصلی حالت کی طرف رفتہ رفتہ عود کر رہی ہے۔

۱۹/اپریل ۱۹۳۸ء علامہ نے انتقال سے ۲ دن قبل ممنون حسن خاں صاحب کو اپنے آخری خط میں لکھا۔۔۔

آپ کا خط کئی روز ہوئے ملا تھا۔ افسوس کہ شدید علالت کی وجہ سے جواب نہ لکھوا سکا۔ دمے کے متواتر دوروں نے مجھے زندگی سے تقریباً مایوس کر دیا تھا۔ مگر اب خدا کے فضل سے کچھ افاقہ ہے گو کلی طور پر ابھی صحت نہیں ہوئی۔ آنکھوں کا آپریشن مارچ میں ہونے والا تھا مگر دمے کی وجہ سے اسے ملتوی کرنا پڑا۔ اب بشرط زندگی انشاء اللہ ستمبر میں ہوگا۔

ورم ریوی اور نمونیا Pulmonary Edema & Pneumonia

اپریل ۱۹۳۸ء اقبال کی زندگی کا آخری مہینہ تھا۔ اقبال کے احباب تشویش میں تھے۔ ان کے معالج مایوس ہو چکے تھے۔ جاوید منزل پر دن رات چند لوگ موجود رہتے تقریباً ہر روز دو تین حکیم اور ڈاکٹر اقبال کا معائنہ کرتے اور دوائیں تجویز اور تبدیل کی جاتیں۔ نیند کی کمی، شانے کا درد، دمہ کے متواتر دوروں نے زندگی کو سخت کر دیا تھا لیکن اقبال کی ہمت بندگی رہی۔ سید نذیر نیازی، حکیم قرشی، ڈاکٹر جمعیت سنگھ، ڈاکٹر عبدالقیوم ملک، اور ڈاکٹر محمد یوسف ہفتہ میں ایک دو بار باہم مشورہ کرتے۔ یونانی اور ایلوپیتھک دونوں علاج جاری تھے۔

پھیپھڑوں میں پانی بھر جانے کو ورم ریوی یا Pulmonary Edema کہتے ہیں۔ یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب دل پھیل جاتا ہے اور اس کی حرکت میں پمپ کرنے کی قدرت کم ہو جاتی ہے چنانچہ پھیپھڑے اپنا خون دل میں خارج نہیں کر سکتے اور پھیپھڑوں میں پانی بھر جانے کے باعث خون میں آکسیجن کم ہو جاتی ہے اور دمہ کا دورہ پڑتا ہے یہ عمل عموماً رات میں زیادہ ہوتا ہے۔

اقبال کو دمہ کے دورے یوں تو مرنے سے کئی مہینے قبل شروع ہو چکے تھے لیکن اپریل کے پہلے اور تیسرے ہفتہ میں ان حملوں کی شدت میں اضافہ ہو گیا یہی نہیں بلکہ بلغم سخت ہو گئی اور اس میں خون آنے لگا جو بہت ممکن ہے Pulmonary Congestion اور نمونیہ Pneumonia کا

باعث ہوا اور جب پھیپھڑے ماؤف ہو گئے تو اس کا معکوس اثر کمزور قلب پر بھی پڑا۔
جناب نذیر نیازی آخری علالت میں لکھتے ہیں ۔۔۔

''مرض الموت کی رفتار کچھ عجیب سی رہی۔ اول استقا Asitis کا حملہ ہوا جس سے چہرے اور پاؤں پر ورم آ گیا۔ پھر تمام جسم پر ورم پھیل گیا۔ ڈاکٹر جمعیت سنگھ کو بلوایا گیا تو انھوں نے معائنہ کے بعد قطعی مایوسی کا اظہار کیا۔ ۲۰/اپریل کے سہ پہر کو جب ان کے معالجین ایک ایک کر کے جمع ہوئے تو انہیں بتلایا گیا کہ علامہ کو بلغم میں کل شام سے خون آ رہا ہے۔ یہ علامت نہایت یاس انگیز تھی''۔

آواز کا بیٹھ جانا (Hoarseness of Voice)

ع۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

علامہ کی آواز بیٹھ جانے کا معمہ آج تک پوری طرح حل نہ ہو سکا۔ کیونکہ اس کا جدید میڈیکل معلومات کی روشنی میں تجزیہ نہیں کیا گیا۔ ہم اس گفتگو میں اختصار کے ساتھ چند نکات پیش کریں گے تا کہ یہ دیرینہ معمہ کسی حد تک حل ہو سکے۔

اگر چہ ہمارے پاس سوائے علامہ کے خطوط، مستند حوالوں، اور اطرافیان کے بیانات کے کوئی میڈیکل رپورٹ، ایکس ریز، تکلہ برداری (Biopsy of tissue) وغیرہ نہیں ہے پھر بھی مسئلہ کو بڑی حد تک سمجھنے کے لیے کافی تحریری مواد موجود ہے۔

علامہ کی آواز جنوری ۱۹۳۴ء میں انفلوئنزا ہونے کے بعد بیٹھ گئی اور پھر کبھی کبھار اس میں کچھ بہتری ہوتی لیکن انتقال تک آواز پوری طرح سے ٹھیک نہ ہو سکی۔ پہلے ہم آلہ صوت یا Vocal cord کی اناٹومی اور اس کی کارکردگی پر روشنی ڈالیں گے۔ ووکل کارڈس حنجرہ یا Larynx کے اندر تنے ہوئے پردے ہوتے ہیں۔ ان پردوں میں جو باریک پردے حرکت میں لائے جا سکتے ہیں اور ان کے تنگ اور ڈھیلے ہونے سے آواز پیدا ہوتی ہے انھیں حقیقی ووکل کارڈ (True vocal cord) کہتے ہیں جن کے اعصاب یا نرو کو Recurrent Laryngeal nerve کہتے ہیں۔ یہی نرو nerve کی وجہ سے ووکل کارڈ میں حرکت اور اسی حرکت سے ہوا کی نالی سے خارج ہونے والی ہوا کی مدد سے آواز پیدا ہوتی ہے چنانچہ آواز کے لیے ووکل کارڈ اور نرو دونوں لازم ہیں۔ اگر کسی وجہ سے نرو قطع ہو جائے یا نرو پر دباؤ پڑنے سے اس کے کام میں فرق ہو جائے تو